Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:3، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

ڈاکٹر انور سدید بطور تاریخ نویس

Dr. Anwar Sadeed as a Historian

Shazia Raheem
PhD Urdu Scholar
Lahore Leads University, Lahore

شازیہ رحیم
پی۔ایچ ڈی اردو اسکالر لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Dr. Anwar Sadeed is regarded as one of the leading figures in Urdu Criticism and research, whose contributions as a literary historian hold a distinguished place in the Historiography of Urdu Literature. His major achievement lies in presenting Urdu Literary History not as a mere sequence of writers and dates but as a reflection of the cultural and social context in which literature evolved. His important works, such as "Mukhtasir Tarikh-e-Urdu Adab" and "Urdu Adab ki Tehreekein", highlight how literary movements are deeply connected with the intellectual, political, and societal forces of their times. As a critic and historian, Dr. Sadeed emphasized the dynamic relationship between tradition and modernity. He demonstrated that Urdu literature was shaped not only by local cultural and linguistic developments but also by global literary and civilizational influences. His approach made literary historiography an analytical narrative rather than a simple record of events. Thus, his works are both informative and thought-provoking, providing insight into the intellectual evolution of Urdu literature. A notable feature of his scholarship was his academic integrity: careful use of references, accuracy of information, and balanced interpretation of texts. By linking literature with broader research and criticism, he proved that literary history cannot remain confined to individual authors but must be studied in connection with collective thought and socio-cultural transformation. In this way, Dr. Anwar Sadeed gave Urdu Literary History a new critical and intellectual dimension. His contributions continue to serve as essential sources for students, researchers, and critics, establishing him as a pioneering figure in the Historiography of Urdu Literature.

Keywords: *Dr. Anwar Sadeed, Urdu Literary History, Urdu Criticism, Historiography of Urdu Literature, Literary Movements, Tradition and Modernity, Cultural and Social Context, Research and Criticism, Analytical Narrative, Intellectual Evolution*

کلیدی الفاظ: ڈاکٹر انور سدید، اردو ادبی تاریخ، اردو تنقید، اردو ادب کی تاریخ نویسی، ادبی تحریکیں، روایت اور جدت، ثقافتی و سماجی تناظر، تحقیق و تنقید، تجزیاتی بیانیہ، فکری ارتقا

ڈاکٹر انور سدید کا نام اُردو ادب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں، وہ ایک جامع الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے محقق، ناقد، مترجم، مبصر، مؤرخ، صحافی، مدیر، شاعر، افسانہ نگار، خاکہ نگار، انشائیہ نگاراور کالم نویس کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کی۔ نیز طنز و مزاح اور سفر نامے کے حوالے سے بھی انھیں شہرت حاصل ہے۔ انھوں نے 87 سے زائد کتب تصنیف کیں۔ ان کی ادبی و علمی خدمات کے لیے اُردو ادب میں انہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اپنے ادبی سفر کے آغاز میں وہ افسانہ نگاری کی طرف مائل تھے۔ انور سدید ایک محنت کش نو مسلم کشمیری گھرانے میں پیدا

ہوئے۔ ان کی پیدائش 4 ستمبر 1929ء کو سرگودھا کی تحصیل بھلوال کے قصبہ میانی میں ہوئی۔ اصل نام محمد انوارالدین تھا وہ پیشے کے اعتبار سے انجینئر تھے مگر اُردو ادب ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ بچپن سے شعر وادب میں دل چسپی تھی۔ شاعری میں اپنے دور کے معروف استاد مولوی بخش کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور ان سے اپنے کلام میں اصلاح لینے لگے۔ ڈاکٹر انور سدید نے پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کے نگران وزیر آغا ہی تھے۔ انھیں علمی صحبتوں کا فیضان تھا جس نے انور سدید کو اردو ادب کے معماروں میں لا کھڑا کیا۔

ڈاکٹر انور سدید نے ایک بھرپور صحافتی زندگی گزاری ہے۔ اگر ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں ان کی زندگی کے مختلف گوشے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے بہت سی ادبی خدمات سرانجام دیں۔ شاعری کے علاوہ ان کا زیادہ تر حصّہ کالم نگاری، تحقیق و تنقید سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر انور سدید تاریخ نویس کی صلاحیت اور ذوق بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے "اقبال کے کلاسیکی نقوش" جیسی شاہکار کتاب اُردو کو دی۔ اس کے علاوہ "اُردو ادب کی مختصر تاریخ"، "اُردو ادب کی تحریکیں"، "کلاسیکی شعراء" اور "اُردو رسائل کی تاریخ" شامل ہیں۔

اُردو ادب کی تاریخ لکھنے کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی میں ہوا۔ اس سے قبل تذکروں، ملفوظات، مکتوبات اور بیاضوں ہی میں اُردو ادب کی تاریخ کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔ مولانا محمد حسین آزاد کی "آبِ حیات" (1880ء) کو اردو ادب کی تاریخ میں اولیت حاصل ہے۔ مگر اسے مکمل تاریخ کہا جا سکتا ہے کہ "آبِ حیات" میں شعر اور نثر نگار ادیبوں کو الگ الگ زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ بیسویں صدی میں اردو ادب کی تاریخ لکھنے کا آغاز گراہم بیلی اور رام بابو سکسینہ نے کیا۔ گراہم بیلی کی تاریخ میں ادبی اندازِ تحریر ہے جب کہ رام بابو سکسینہ کے ہاں تفصیلات ملتی ہیں۔ رام بابو سکسینہ کی کتاب 1929("A History of Urdu Literature")ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی جس کا اُردو ترجمہ 1969ء میں مرزا محمد عسکری نے "تاریخ ادب اردو" کے عنوان کے تحت کیا، اس کے بعد اُردو ادب کی تاریخ نویسی کا رواج ہوا اور بیسویں صدی کے اختتام تک اُردو کی ادبی تاریخ پر کم و بیش 60 کتب منظرِ عام پر آئیں۔

بیسویں صدی میں اُردو ادب کی تاریخ کا ایک معقول ذخیرہ جمع ہوا اور اعلیٰ ادبی تواریخ لکھی گئیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی سے قبل اور مابعد تواریخ کثرت سے منظرِ عام پر آئیں تو ان میں دوسرے تاریخ نگاروں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر انور سدید کی "اُردو ادب کی مختصر تاریخ" (1991ء) میں شائع ہوئی۔ فخر زمان "پاکستانی ادب کے معمار" میں لکھتے ہیں:

> "اُن کی اُردو ادب کی تاریخ، تحقیق اور تنقید، انشائیہ، طنز و مزاح، خاکہ نگاری، سفر نامہ نگاری، شاعری اور کالم نگاری و تبصرہ نویسی، ترجمہ نگاری کی اصناف میں غیر معمولی خدمات ہیں۔ وہ ایک صاحبِ اسلوب اور رجحان ساز ادیب اور مدیر ہیں۔ اُردو ادب میں ان کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔" (1)

ڈاکٹر انور سدید ہر صنفِ ادب کے مزاج سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ تخلیقیت کے جوہر سے مملو ہے۔ ان کی ادبی جہات کثیر ہیں اور اتنی جہات اُردو کے بہت کم ادیبوں میں مجتمع نظر آتی ہیں۔ اگر تاریخ نویسی کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید کا جائزہ لیا جائے تو "اردو ادب کی تحریکیں" ان کی تاریخ نویسی کی ابتدا ہے اور اُردو ادب کی انوکھی تاریخ ہے۔ اردو شاعری کے ساتھ اُردو نثر کی تاریخ بھی مرتب ہو گئی ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر انور سدید نے تحریک پر اصولی اور نظری بحث کی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"تحریک جمود کی یک رنگی کو توڑ کر ہمہ رنگی اور تنوع پیدا کرنے کا عمل ہے اور اس کی تہہ میں تحرک کا کوئی نہ کوئی عنصر ضرور کار فرما ہوتا ہے۔"(2)

تحریک انسانی زندگی کے بہت سے شعبوں کے ساتھ ساتھ ادب کو بھی متاثر کرتی ہے۔ انور سدید نے مشرق و مغرب میں قرونِ وسطیٰ کی مذہبی تحریکوں کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے تاریخی پس منظر کے ساتھ ان کے ادب پر اثرات کا مطالعہ پیش کیا۔ "اُردو ادب کی تحریکیں" میں ڈاکٹر انور سدید نے احیاء العلوم کی تحریک اور مغرب میں کلاسیکی تحرک کے ساتھ وہاں کی رومانی تحریک، وجودیت کی تحریک، سرئیلی تحریک، تجریدیت کی تحریک، علامت نگاری کی تحریک، تاثریت کی تحریک اور مارکسی تحریک کے مطالعات اور اس کے ادب پر اثرات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے بقول:

"مارکسی تحریک نے ادب کو فکری زاویے سے ہی متاثر نہیں کیا بلکہ ادب کو عوام کی زبان میں ادب تخلیق کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ اس تحریک نے ادب کو بلاواسطہ انسان کے ساتھ متعلق کیا اور ادب کی غیر جانب داری کو یکسر ختم کر دیا۔ چناں چہ اس تحریک کا موقف یہ ہے کہ جب سماج کی بنیاد طبقاتی تقسیم پر مبنی ہے تو ادب غیر طبقاتی کس طرح ہو سکتا ہے۔"(3)

ڈاکٹر انور سدید نے قدیم تحریکوں کی روشنی میں بھگتی تحریک اور صوفیاء کی تحریک پر اظہارِ خیال کیا ہے اور انھوں نے ولی دکنیؔ کے دور تک ہندوستان کی تہذیبی اور مذہبی تاریخ کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ ولی دکنیؔ کی تجدید پسندی کے ردِ عمل میں "ایہام کی تحریک" چل نکلی، ذو معنی شاعری شروع ہوئی۔ فارسی شعراء نے ریختہ گو شعراء کے متعلق اہانت آمیز اشعار کہنا شروع کیے۔ اس کے خلاف اوّلین ردِ عمل خان آرزو کے ہاں پیدا ہوا اور انھوں نے فارسی کو ترک کر کے ریختہ کے مشاعرے کرانا شروع کر دیئے۔ ایہام کو خان آرزوؔ اور بالخصوص ان کے شاگردوں نے فراوانی سے استعمال کیا۔ ایہام گو شعراء میں مبارکؔ، آبروؔ، مضمونؔ، یک رنگؔ، شاکر ناجیؔ، کمترین عارفؔ نمایاں ہوئے مگر شاہ حاتمؔ نے اپنے پختہ کلام سے ایہام گوئی کی تحریک کو طوالتِ عمر عطا کی۔ حاتمؔ کے شاگردوں نے اپنے پختہ کلام سے ایہام گوئی کی تحریک کو طوالتِ عمر عطا کی۔ حاتمؔ کے شاگردوں میں سوداؔ، تاباںؔ، سلمان شکوہؔ اور سعادت یار رنگینؔ جیسے قادرالکلام شعراء تھے۔ تحریکِ ایہام کے ردِّ عمل میں اصلاحِ زبان کی تحریک کے نمایاں شاعر تھے۔ انھوں نے اصلاحِ زبان کی تحریک میں بھی شمولیت اختیار کی۔ سوداؔ، میر دردؔ، نظیریؔ، قائم پوریؔ اور مظہر جانِ جاناں نے اصلاحِ زبان کی تحریک کو تقویت بخشی۔ مرزا مظہر جانِ جاناں نے اُردو زبان سے ہندی زبان کے اثرات زائل کرنے اور فارسی کے غلبے کو قبول کرنے کی تحریک کی۔ اس تحریک میں مرزا مظہر کا عملی ساتھ دینے والے انعام اللہ یقینؔ اپنے ننھیال کی نسبت سے حضرت مجدد الف ثانی کے نواسے تھے۔ انھوں نے اُردو کو ہندی اثرات سے پاک کرنے کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھا۔ خواجہ میر درد نے ایہام کو لفظ دوئی قرار دیا۔

اٹھارویں صدی کے آغاز سے انیسویں صدی کے وسط کی اُردو شاعری اس اصلاحِ زبان کی تحریک کے زیرِ اثر لکھی گئی۔ انشاء اللہ خان انشاء، امام بخش، نظیر اکبر آبادی، شیخ ابراہیم ذوق، اسد اللہ خان غالب، خواجہ میر درد، غلام ہمدانی مصحفی، حیدر علی آتش شاعری کے اسی دور زرّیں کے معروف نام ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید نے "اُردو ادب کی تحریکیں" کے ذریعے "فورٹ ولیم کالج" کی اُردو نثر کی ترویج کا احاطہ کیا ہے۔ اردو نثر کے آغاز سے فورٹ ولیم کالج تک اُردو نثر کے ارتقاء کی کہانی بیان کرنے کے علاوہ فورٹ ولیم کالج کی تحریک کے مثبت اور منفی اثرات کی نشان دہی کی ہے جس سے اس تحریک کے ادبی اور سیاسی دونوں پہلو اُبھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انیسویں صدی سے ہندوستان میں اُبھرنے والی تحاریک برہمو سماج، آریہ سماج، تحریک سیّد احمد بریلوی، تحریک دہلی کالج پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد سر سیّد احمد خان کی علی گڑھ تحریک کا علمی و فکری تجزیہ پیش کیا ہے۔ بقول انور سدید:

> "علی گڑھ کی تحریک اُردو کی اوّلین فکری تحریک تھی۔ اس تحریک سے پہلے زبان کی ظاہری ہیئتوں پر توجہ صَرف ہوئی تھی۔ اُردو زبان کا استخوان ہندوستانی لیکن مغز ایرانی تھا۔ اس تحریک نے ان دونوں میں جسم اور روح کا رشتہ قائم کیا اور لفظ کے حسن کو اُجاگر کرنے کے لیے روح اور معنی کو اہمیت دی۔ سر سیّد نے پہلے اُردو کا بیشتر تخلیقی ادب صرف شاعری کی اصناف کا احاطہ کرتا تھا۔ علی گڑھ تحریک نے نثر کی اصناف کو بھی فروغ دیا۔ سر سیّد نے چوں کہ افکار اور نظریات کے مغربی خزینوں کو بھی کھنگالا تھا۔ اس لیے اس تحریک نے مشرق اور مغرب کے فکری انضمام سے اُردو ادب کو مغرب کا ہم پلّہ بنانے کی سعی کی۔"(4)

ڈاکٹر انور سدید نے "انجمن پنجاب تحریک" کا احاطہ کیا۔ تحریک کے بانی مولانا محمد حسین آزاد تھے۔ جب دلی کالج کا شیرازہ بکھر گیا تو مولانا حالی اور دیگر ادباء، لاہور آئے تو ان سے پہلے ڈاکٹر لائٹنر مولانا آزاد کی سربراہی میں "انجمن پنجاب" تشکیل دے چکے تھے۔ ڈاکٹر لائٹنر مولانا آزادؔ کی سربراہی میں "انجمن پنجاب" تشکیل دے چکے تھے۔ ڈاکٹر لائٹنر گورنمنٹ کالج لاہور کے اوّلین پرنسپل تھے۔ ان کے مساعی سے مولانا محمد حسین آزاد گورنمنٹ کالج کے لیکچرار تعینات ہوئے اور انجمن پنجاب کو ایک فعال تحریک بنانا مولانا کے فرائض میں شامل تھا۔ مستقل لیکچرار کے دائرہ عمل میں رؤسا کی رہائش گاہوں پر جہاں نجی سطح پر مشاعرے، مناظرے اور علمی اور ادبی محفلیں منعقد ہوتی تھیں، حاضری ضروری قرار دی۔ لیکچرار کے عہدے پر تعینات ہو کر مولانا محمد حسین آزاد نے "انجمن پنجاب" کی تحریک کو نئی توانائی عطا کی۔ آزادؔ کی عمدہ خدمات کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر لائٹنر نے "انجمن پنجاب" کو کُلی طور پر آزادؔ کے حوالے کر دیا اور خود پس منظر میں چلے گئے۔ مولانا آزادؔ اور حالیؔ نے "انجمن پنجاب" کے پلیٹ فارم سے انگریزی شاعر ورڈز ورتھ کے نقشِ قدم پر نیچرل شاعری کا آغاز کیا۔ اُردو زبان کو بھی زیادہ سے زیادہ عوام کی سطح پر لانے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر انور سدید نے "اقبال کی تحریک" پیش کر کے یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ اس کے پس منظر میں اُردو زبان اور فارسی رسم الخط کے بجائے ہندی بھاشا اور ناگری رسم الخط کا نفاذ انڈین نیشنل کانگریس (1885ء) میں ہندوستانی قومیت کا تصور، اُس کے خلاف سر سیّد کا ردِّ عمل، دو قومی نظریہ کی ابتدا 1906ء میں نواب سلیم اللہ خان کی دعوت پر مسلم لیگ کے قیام کے علاوہ فکری سطح پر مختلف نظریات میں تصادم اور انگریزی علوم کے فروغ اور مشنریوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے مذہب اسلام کو خطرہ درپیش تھا۔ اس دور میں دو طرح کی تحریکوں کو فروغ ملا، اولاً قدیم نظریات کے مطابق تحفظ مذہب کی تحریکیں اور ثانیاً نئے علوم کی روشنی میں مذہب کی نئی توضیح پیش کرنے کی تحریکیں۔

بقول انور سدید:

"اقبال کی تحریک نے ادب اور معاشرہ دونوں میں انسان کی انفرادیت کو فروغ دیا اور اسے اجتماع میں گُم ہو جانے کے بجائے سربلند ہونے اور اپنی شخصیت کا اعتراف کرانے کا راستہ دکھایا۔ اس تحریک کی ایک عطایہ ہے کہ اس نے عقل شعور کو فروغ دینے میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ سرسیّد اس کاوش میں تقلید مغرب کا مشورہ دیا تھا لیکن اقبال نے اس شاخِ نازک پر آشیانہ بنانے کے بجائے اسلامی شعور کو اساس بنایا اور تشکیک کا پردہ چاک کرنے کی کوشش کی۔ اقبال نے اپنے عہد کی مروّجہ نئے علوم کا مطالعہ کیا تھا۔ چناں چہ ان کے ہاں فلسفہ، سائنس، نفسیات اور تاریخ وغیرہ سے استفادہ کا رُجحان نمایاں نظر آتا ہے۔"(5)

اصنافِ شعر میں سے اقبال کی تحریک نے نظم کو متاثر کیا۔ اقبال سے پہلے انجمن پنجاب کی تحریک نے اُردو نظم کو فروغ دینے کی کوشش کی تھی مگر وہ نظم کی ابتدائی نوعیت سے تجربے سے آگے نہ بڑھ پائی۔ اقبال نے اپنے عہد کے مروجہ نئے علوم کا مطالعہ کیا تھا چناں چہ ان کے ہاں فلسفہ، نفسیات اور تاریخ وغیرہ سے استفادہ کا رُجحان نمایاں نظر آتا ہے۔ اقبال کی تحریک نے اپنے عہد کو بھی متاثر کیا اور اب نئے حالات میں بھی ایک زندہ اور فعال تحریک ہے اور اپنے دائرے کو بُھلا کر مزید نئی تحریکوں کو جنم دے رہی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے "رومانی تحریک" کے ذریعے ان نثر نگاروں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جن کے ہاں "رومانیت" پائی جاتی ہے۔ اس طرح ڈاکٹر انور سدید نے ہر رومانی شاعر کی طرح اس کی شاعری سے بھی "رومانیت" کے عناصر دریافت کیے ہیں۔ رومانی تحریک، سرسیّد کی علی گڑھ تحریک کے ردِّ عمل میں معرضِ وجود میں آئی۔ زمانی اعتبار سے رومانی نثر نگاروں میں سب سے پہلا نام مولانا محمد حسین آزاد کا نظر آتا ہے جب کہ آزادؔ کی خیال آفرینی کا سرچشمہ انگریزی انشاپردازی سے پھوٹتا نظر آتا ہے۔ انور سدید کا اشارہ "نیرنگِ خیال" کے مضامین کی طرف ہے جو آزادؔ نے انگریزی سے آزاد ترجمے اور اپنے منفرد اسلوب میں تحقیق کیے۔ آزادؔ کے بعد رومانیت کے ضمن میں انور سدید کو جو نام نظر آتا ہے وہ میر ناصر علی کا ہے۔ عہدِ سرسید ہی میں عبدالحلیم شررؔ اپنے شدید جذباتی رویے اور رومانی طرزِ احساس کے ساتھ اپنے ناولوں "حسن انجلینا"، "منصور موہنا"، "فلورا فلورنڈا" اور "یوسف نجمہ" میں نمایاں ہیں۔ چناں چہ رومانیت کا ایک زاویہ محمد حسین آزاد کی صورت میں ارضِ لاہور پر اُبھرا۔ رومانیت کی نمود اور تحریک کو میر ناصر علی نے دہلی میں کروٹ دی اور رومانی اندازِ نظر کی بیشتر تصنیفات شررؔ نے لکھنؤ سے پیش کیں۔ چناں چہ جب اپریل 1901ء میں "مخزن" کا اجراء ہوا اور اس نے روشِ عام سے ہٹ کر جذبہ اور تاثر کو ملکوتی زبان میں پیش کرنا شروع کیا تو اس عہد کے بیشتر نوجوان ادباء "مخزن" کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ڈاکٹر انور سدید نے "ترقی پسند تحریک" کی ادبی اور سیاسی تاریخ پیش کر کے نہایت دیانت داری اور غیر جانب داری سے سیّد سجاد ظہیر، اختر حسین رائے پوری، سید احتشام حسین، ڈاکٹر سید عبداللہ، پروفیسر احمد علی، عزیز احمد اور وحید قریشی کے مستند حوالوں سے ترقی پسند تحریک کے خلاف حقیقت نگاری کی تحریک کا بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں میں ردِّ عمل سے ترقی پسند تحریک کو بڑا بڑھاوا ملا۔ ادبی لحاظ سے ترقی پسند تحریک کو

منشی پریم چند ایسا بڑا افسانہ نگار نصیب ہوا۔ ڈاکٹر سیّد عبد اللہ نے اردو ادب میں جن تین چوٹی کے ناموں کا انتخاب کیا ہے ان میں سر سیّد اور اقبال کے ساتھ تیسرا نام پریم چند کا ہے۔ ترقی پسند تحریک کا نقطۂ آغاز 1933ء میں افسانوں کی کتاب "انگارے" کی اشاعت سے ہوا۔

"ترقی پسند تحریک" اُردو ادب کی اوّلین تحریک تھی جس کا باضابطہ منشور تحریر کیا گیا۔ اس منشور کو سیاسی خطوط پر عملی جامہ پہنانے کے لیے سجاد ظہیر نے اَن تھک کام کیا۔ ترقی پسند تحریک کو پہلے دور میں ہی فعال حیثیت حاصل ہو گئی اور اس نے ملک کی عام ادبی فضا میں تحرک اور ردِّ عمل پیدا کیا۔ ترقی پسند تحریک کی پہلی "کُل ہند کانفرنس" 15-اپریل 1936ء کو لکھنؤ میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی صدارت منشی پریم چند نے کی۔ اس کانفرنس میں پڑھی جانے والی چیزوں میں سب سے اہم منشی پریم چند کا خطبۂ صدارت تھا جس میں انھوں نے ادب کی دائمی قدروں کو اُجاگر کیا اور حُسنِ صداقت، آزادی اور انسان دوستی کو اعلیٰ ادب کا جزوِ لاینفک قرار دیا۔ منشی پریم چندر قم طراز ہیں:

> "جس ادب سے ہمارا ذوق صیح بیدار نہ ہو، روحانی اور ذہنی تسکین نہ ہو، ہم میں قوت اور حرکت پیدا نہ ہو، ہمارا جذبۂ حُسن نہ جاگے، جو ہم میں سچّا ارادہ اور مشکلات پر قابو پانے کے لیے سچا استقلال نہ پیدا کرے، وہ آج ہمارے لیے بیکار ہے۔ اس پر ادب کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ ادب آرٹسٹ کے روحانی توازن کی ظاہری صورت ہے اور ہم آہنگی حسن کی تخلیق کرتی ہے، تخریب میں..... یہ اس کا مقصدِ اولیٰ ہے۔"(6)

1949ء کا ترقی پسند منشور تحریک کے حق میں عبرت ناک ثابت ہوا اور یہ حکومت کے احتساب سے بچ نہ سکی۔ دوسری طرف 1952ء کے منشور میں تحریک کی انقلابی روح موجود نہیں تھی۔ ڈاکٹر انور سدید نے حلقۂ اربابِ ذوق کی تحریک، ترقی پسند تحریک کے برعکس قرار دیا اور حلقۂ اربابِ ذوق کی شاعری، افسانہ اور تنقید پر تجزیاتی نظر ڈال کر حلقہ سے متعلق اور نظریات سے متعلق شعراء، افسانہ نگار اور ناقدین کے فن کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ نظم کے شعراء میں تصدق حسین خالد، ن-م راشد، میر جی، قیوم نظر، ضیاء جالندھری، مختار صدیقی، اختر الایمان، مجید امجد، وزیر آغا، اعجاز فاروقی، جیلانی کامران، منیر نیازی اور غزل کے شعراء میں انجم رومانی، ناصر کاظمی، شہرت بخاری اور احمد مشتاق کے نام ہیں۔

حلقہ ارباب ذوق کے افسانہ نگاروں میں شیر محمد اختر، ممتاز مفتی، فرخندہ لودھی، شمس نعمان اور مرزا حامد بیگ وغیرہ شامل ہیں اور حلقہ اربابِ ذوق کے ناقدین میں میراجی، مولانا صلاح الدین احمد، ڈاکٹر وحید قریشی، ریاض احمد، محمد حسن عسکری، مختار صدیقی، قیوم نظر، وجیہہ الدین احمد، حزب اللہ، ڈاکٹر وزیر آغا، جیلانی کامران، سجاد باقر رضوی اور مظفر علی سیّد شامل ہیں۔

"تحریک ادبِ اسلامی" زمانی اعتبار سے ادبِ اسلامی کی تحریکِ آزادی کے بعد معرضِ وجود میں آئی۔ "ترقی پسند تحریک" کی طرح "تحریک ادبِ اسلامی" بھی خود رو تحریک نہیں تھی۔ لہٰذا اس کا دائرۂ اثر محدود رہا۔ یہ تحریکِ آزادی کے فوراً بعد رُونما ہوئی۔ اس نے ارضِ پاکستان کی نسبت سے زمین کے اور اسلامی نظریات کے حوالے سے آسمان کے عناصر کی اہمیت کو تسلیم کیا اور نئے ادب کی تخلیق کے لیے ان دونوں کا امتزاج ضروری قرار دیا۔

ڈاکٹر انور سدید ادب پڑھنے اور لکھنے کو عبادت کا درجہ دیتے تھے۔ ادب سے روپے پیسے کا حصول ان کے کبھی پیشِ نظر نہیں رہا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اپنی اوّلین کتاب "فکر و خیال" سے "اُردو ادب کی مختصر تاریخ" تک کے درمیان انھوں نے ایک درجن سے زائد کتب تصنیف و تالیف کی ہیں۔ یہ سب کی سب انھوں نے رسد اور طلب کے تحت نہیں لکھیں بلکہ ان سے اپنے علم و ادب کے شوق فراواں کی سیر ابی مقصود تھی۔

ڈاکٹر انور سدید نے "اُردو ادب کی تاریخ" تالیف کو تحقیق کا درجہ عطا کیا ہے۔ اس میں انھوں نے ادب کی تاریخ لکھنے کی غرض و غایت اور حدودِ ضخامت کی وجہ و جواز کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے ابتدائے اُردو سے لے کر حال (32-دسمبر 1986ء) تک مختلف اصناف میں ادب کا سلسلہ وار منظر نامہ صرف ایک جلد میں پیش کرنے کی کاوش کی ہے۔ کتاب کی محدود ضخامت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تاریخی حالات اور تنقیدی مباحث میں بقدر ضرورت کفایت سے کام لینے اور ادباء کی نمایاں خصوصیت تک محدود رہنے کی سعی کی گئی ہے۔ ادب کی تاریخ اشخاص اور ان کے ادبی کارناموں کا آئینہ ہوتی ہے لیکن ادب اپنا تمام مواد زندگی سے حاصل کرتا ہے۔ چناں چہ تاریخ کے آئینے میں اس قوم کا طرزِ احساس و فکر اور رُوح بھی منعکس ہوتی ہے، جس کا یہ ادب ہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے "اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" میں بیسویں صدی سے پہلے کے معمارانِ ادب کے قلمی و ادبی کارناموں کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد علامہ اقبال کا عہد آزادی کے بعد ادب کے جدید دور پر ختم ہوتا ہے۔ یہ دور ڈاکٹر انور سدید کا نہ صرف دیکھا بھالا بلکہ ان کے اپنے ادبی کیریئر کے آغاز اور ارتقاء کا دور ہے۔ اس عہد کے شعر و نثر کی تاریخ انور سدید نے اس روانی سے لکھی ہے جیسے وہ ادب کی نہیں اپنی کہانی مزے لے لے کر بیان کر رہے ہیں۔ ان ابواب تک پہنچتے پہنچتے ان کے اسلوب میں تخلیقیت کی خوبی بھی اپنی معراج پر نظر آتی ہے۔ "اُردو ادب کی مختصر تاریخ" میں انور سدید بیان کرتے ہیں:

> "اُردو افسانے نے آزادی کے بعد ایک نئی کہکشاں مرتب کی لیکن بہت جلد افسانے پر تجرید اور علامت نے غلبہ پالیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاری سے افسانے کا رشتہ کمزور پڑ گیا۔ اس دور میں سفر نامہ، آپ بیتی، خطوط نگاری اور انشائیہ کی اصناف نے کہانی کے خلا کو پُر کرنے کی کوشش کی۔ انشائیہ کی خصوصی عطا یہ ہے کہ اس نے نہ صرف غیر اہم موضوعات کو غیر معمولی بنا دیا بلکہ زندگی کا مظاہر و اشیاء کو نئے زاویوں سے دیکھنے اور انشائی حُسنِ لطافت سے پیش کرنے کا رویہ بھی پیدا کیا۔ اس کے عمدہ اثرات سفر نامہ اور افسانہ میں بھی ظاہر ہوئے۔ حالیہ دور میں جب افسانے میں سوچ کا قمتی عنصر داخل ہو گیا ہے۔ اُردو افسانہ دوبارہ کہانی کی طرف مراجعت کر رہا ہے تو انشائی نثر اس کے اثر و عمل کا ٹوٹا ہوا دائرہ مرتب کرنے میں معاونت کر رہی ہے۔"(7)

ڈاکٹر انور سدید نے جب "اردو ادب کی مختصر تاریخ" پیش کی تو ان کی اس کاوش سے پہلے ادب کی پانچ مختصر تاریخیں شائع ہو چکی تھیں۔ ان میں سے غلام الثقلین نقوی، ڈاکٹر سیّد اعجاز حسین، ڈاکٹر ملک حسن اختر اور ڈاکٹر سلیم اختر کی کاوشیں ان کی نظر سے گزری ہیں۔ ڈاکٹر سیّد اعجاز حسین کی مختصر تاریخ چوں کہ پائینر کا درجہ رکھتی ہے اس لیے اس کی قدر و قیمت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ تاہم اس میں زمانہ جدید کے اُردو ادب کی تاریخ بہت کم ہے۔ ڈاکٹر ملک حسن اختر اور ڈاکٹر سلیم اختر کی تاریخیں عدم توازن کا شکار ہیں جہاں اختصار کی ضرورت ہے وہاں طوالت ہے اور جہاں طوالت چاہیئے تھی وہاں اختصار ہے۔ بعض جگہ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخین نے ایک خاص موضوع پر اپنے لکھے ہوئے مقالوں کو کتاب کا حصّہ

بنا دیا ہے اور اس میں قطع و برید کرنے کی زحمت بھی گوارا ان ہیں کی۔ شکر ہے کہ یہ توازن پہلی دفعہ ڈاکٹر انور سدید کی تاریخ نویسی میں نظر آیا ہے۔ اس میں پہلے سے لکھے گئے مقالے جمع نہیں کیے گئے بلکہ "مختصر تاریخ ادب" کے لوازمات کو پیش نظر رکھ کر ایک مسلسل کتاب لکھی گئی ہے اور خیال رکھا گیا ہے کہ جس موضوع یا شخصیت کا جتنا حق ہے اس میں کمی نہ ہو اور جن سے زیادتی بھی نہ ہو۔ گویا انھوں نے افراط و تفریط سے اپنا دامن بچایا ہے اور اپنی ذاتی ترجیحات و تعصّبات کو تاریخ کا حصّہ نہیں بننے دیا۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے ایک تجزیہ پیش کیا ہے:

> "ڈاکٹر انور سدید کی اس ادبی تاریخ کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں انھوں نے تاریخ ادب اردو کے ادوار کا از سرِ نو تعیّن کیا ہے، یعنی اس سلسلے میں پہلے سے بنائے گئے چوکھٹے یا فریم کو استعمال نہیں کیا۔ انھوں نے یہ کام وسیع مطالعے کے علاوہ اپنے ذوقِ نظر اور زاویۂ نگاہ کے حوالے سے کیا ہے۔ لہٰذا تازگی کا احساس قدم قدم پر ہوتا ہے۔ ادبی تاریخ کے باب میں دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ کیا تاریخ دان نے گزر گاہِ خاص و عام پر چلنے کا مظاہرہ کیا یا اپنے منفرد زاویۂ نگاہ کو بروئے کار لانے میں کامیابی حاصل کی۔ دراصل ہر اچھی ادبی تاریخ کا ایک تخلیقی پہلو بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک تخلیق کار ہی ایک اچھی تاریخ لکھنے پر قادر ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی ادبی تاریخ اس کے مصنف کی تخلیق یت کے بغیر محض کتابوں اور ادبی شخصیتوں کی ایک ایک کھتونی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے اپنی کتاب کو محض احوال و آثار کا ایک ملغوبہ بنا کر پیش نہیں کیا بلکہ ان کے عقب میں موجود سیاسی، سماجی، لسانی اور تہذیبی کروٹوں کو مکس بھی کیا ہے۔"(8)

ڈاکٹر انور سدید نے بیسویں صدی اور بالخصوص قیامِ پاکستان (آزادی) کے بعد کے دور پر بھرپور نظر ڈالی ہے۔ بلاشبہ انھوں نے غیر جانب داری کو قائم رکھتے ہوئے ہر قلم کار پر دیانت داری سے رائے دی۔ بحیثیت ادبی مؤرخ، "پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ" ڈاکٹر انور سدید کی تیسری کاوش ہے۔ اس میں اُردو ادب کی تاریخ ادبی رسائل کی زبانی بیان ہوئی ہے جو کہ 1947ء سے قبل کے ادبی رسائل کے بارے میں ہے۔ انور سدید نے کتاب کے پیش لفظ میں لکھا:

> "برصغیر میں ادبی رسائل انیسویں صدی میں شائع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ادیب صحافت کی طرف پہلا قدم مولوی باقر نے اٹھایا تھا جو مولانا محمد حسین آزاد کے والدِ گرامی اور "دہلی اُردو اخبار" کے مدیر تھے۔ لیکن ادبی جریدہ نگاری کو فروغ ماسٹر رام چندر اور سر سیّد احمد خان نے دیا جو ادیب بھی تھے اور قوم کے معلم بھی۔ رسالہ "فوائد الناظرین" ماسٹر رام چند کی روشن خیالی کا اور "تہذیب الاخلاق" سرسید احمد خان کی کُشادہ فکری کا نقیب تھا۔ اس بامعنی ابتدا کو میر ناصر علی دہلوی، عبدالحلیم شررؔ اور حسرت موہانی نے فکر انگیز اور مثبت جہت دی۔ انھوں نے "صدائے عام"، "دلگدار" اور "اردوئے معلیٰ" جیسے رسائل سے نہ صرف ادب کو مائل بہ ارتقاء کیا بلکہ ان سے قوم کی ذہنی، فکری، تہذیبی اور ادبی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیا۔"(9)

ڈاکٹر انور سدید نے صحافت اور ادبی صحافت کے فرق سے متعلق آگاہ کیا کہ صحافت کا بنیادی فریضہ پیغام رسانی ہے۔ بالفاظ دیگر صحافی کا تعلق حالاتِ حاضرہ اور ان کی ترسیل سے ہے۔ اس قسم کے خارجی حقائق کے ساتھ اس کا تعلق پیشہ وارانہ اور میکانکی ہے لیکن یہ جذباتی وابستگی سے عاری ہے۔ صحافت کی طرح ادب بھی اپنا خام مواد زندگی کے خارج ہی سے حاصل کرتا ہے لیکن اس کا ردِ عمل خارجی یا ہنگامی نہیں ہوتا بلکہ ادب بنیادی

طور پر ادیب کے اظہارِ ذات کی ایک صُورت ہے اور یہ اظہار باطن کا وہ نغمہ ہے جو مزاجاً اشارے کنائے، استعارے اور تخیل کی اساس پر قائم ہے اور جذبے کی تہذیب کر کے قاری کو جمالیاتی حظ پہنچاتا ہے۔ جب کہ صحافتی خبر کی تدوین میں اپنا اسلوب اور تخلیقی انداز بھی روبہ عمل لاتا ہے۔ لیکن اس کا بنیادی مقصد ادب تخلیق کرنا یا ادبی تقاضوں کو پورا کرنا نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ادبی صحافت میں بنیادی اہمیت ادب، تخلیقِ اصناف، ادب کے مسائل اور مباحث کو حاصل ہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے "برصغیر میں اُردو رسائل کی ابتداء" میں بتایا کہ ہندوستان میں پہلا چھاپہ خانہ پرتگیزیوں نے 1550ء میں قائم کیا۔ انگریزوں نے ایک مطبع 1974ء میں بمبئی میں نصب کیا۔ بقول انور سدید:

> "27-مارچ 1922ء کو ہندوستانی صحافت نے اُردو کی طرف پیش قدمی کی اور کلکتہ سے ہفتہ وار "جامِ جہاں نما" اُردو زبان میں جاری کیا..... "جامِ جہاں نما" ایک طویل العمر اخبار تھا۔ اس نے کم و بیش 55-سال کی عمر پائی اور 1876ء تک جاری رہا..... اس کی ابتدا اُردو زبان میں ہوئی تھی اور پانچ سال تک فارسی کے ساتھ اردو ضمیمہ بالالتزام چھپتا رہا۔ اس اعتبار سے "جامِ جہاں نما" کو اُردو کا پہلا اخبار بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ "جامِ جہاں نما" کی دوسری اہمیت یہ ہے کہ اس میں انگریزی اور فارسی مضامین کے تراجم کئے جاتے تھے۔ ادبی زاویے سے اس میں شاعری کا حصّہ بھی شامل تھا۔"(10)

ڈاکٹر انور سدید نے "عہدِ سرسید کے ادبی رسائل" کے بارے میں کہا کہ 1857ء کی جنگِ آزادی نے مسلمان صحافیوں اور اُردو اخبارات کو بہت نقصان پہنچایا۔ نٹ راجن کی رپورٹ کے مطابق 1856ء میں اردو اخبارات کی تعداد 35 تھی لیکن 1857ء کے بعد صرف چھ رہ گئی۔ 1858ء میں چھ نئے اخبارات جاری ہوئے تو اخبارات کی کل تعداد 12 ہو گئی لیکن ان میں صرف ایک اخبار کی ادارت ایک مسلمان صحافی کے پاس تھی۔

"بیسویں صدی کے ادبی رسائل" میں ڈاکٹر انور سدید نے 1947ء سے پہلے کے نامور رسائل کا جائزہ پیش کیا ہے۔ ابتدا شیخ عبدالقادر کے رسالے "مخزن" سے ہوتی ہے۔ "مخزن" کا پہلا پرچہ اپریل 1901ء کو منصۂ شہود پر آیا۔ شیخ عبدالقادر نے "مخزن" کے پہلے اداریے میں پرچے کی پالیسی بیان کی۔ اس میں انھوں نے تقلیدی رویوں کی مذمت کی اور تصنع نگاری کے خلاف آواز اٹھائی اور ادباء کو فطرت کی زبان میں تخلیق کاری کی دعوت کی۔ مقصد مذہبی اور سیاسی طبقوں سے الگ رہ کر اُردو ادب کی خدمت کرنا تھا۔ چناں چہ اس نے مروّجہ ڈگر سے علیحدہ روش اختیار کی اور جذبے اور تاثر کو ملکوتی زبان میں پیش کیا تو اس عہد کے بیشتر لکھنے والے "مخزن" کی طرف راغب ہو گئے۔ "مخزن" کے قلمی معاونین میں علامہ اقبال، غلام بھیک نیرنگ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، یگانہ چنگیزی، برج نرائن، چکبست، اکبر الٰہ آباد، ریاض خیر آبادی، حافظ محمود شیرانی، مولانا حالی، مولانا شبلی نعمانی، محمد حسین آزاد، سجاد حیدر یلدرم، آغا حشر کاشمیری، راشد الخیری، حسرت موہانی، طالب بنارسی، نادر کاکوروی، شوق قدوائی، شاد عظیم آبادی اور متعدد دوسرے ادباء کے اسمائے گرامی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ادباء کی اتنی بڑی تعداد اور اتنی روشن کہکشاں شاید اس دور کے کسی ادبی پرچے کو میسر نہیں آ سکی۔

ڈاکٹر انور سدید نے آزادی کے بعد جاری ادبی رسائل کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ ان رسائل میں "اُردو"، "ہمایوں"، "نگار"، "عالمگیر"، "نیرنگِ خیال"، "اورینٹل میگزین"، "ادبی دنیا"، "ساقی"، "ادبِ لطیف"، "شاہکار"، ماہ نامہ "کتاب"، "نظام"، "افکار"، "سویرا"، "نیا دور" شامل

ہیں۔اس کے علاوہ آزادی کے بعد تین نئے ادبی رسائل "سحر" لاہور(1947ء)، "فانوس"(1945ء)، "چراغ راہ"(1947ء)کا ذکر کیا گیا ہے۔ڈاکٹر انور سدید نے نئے ادبی رسائل کے بارے میں لکھا کہ پاکستان میں نئے ادبی رسائل کی ابتداء1948ء میں کراچی سے شائع ہونے والے رسالے "ماہِ نو" سے ہوتی ہے اور اختتام 1987ء میں کراچی سے شائع ہونے والے ماہنامہ "دائرے" سے جس کے مدیر حسنین کاظمی تھے۔"ماہِ نو" اور "دائرے" کے درمیان اُردو ادب کے عہد ساز رسائل "نقوش"، "صحیفہ"، "فنون"، "اوراق"، "سیپ" "ادبیات" لاہور، کراچی، اسلام آباد اور پاکستان کے دیگر شہروں میں چھپنے والے کم ضخامت کے رسائل کے جلو میں اپنی اب و تاب سے ادب کے قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتے ہیں۔اس تفصیل سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انور سدید نے جس محنت اور لگن سے اردو ادب کی تاریخ نویسی کی ہے اور "اردو ادب کی تحریکیں"، "اردو کی مختصر تاریخ" اور "پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ" جیسی کتابیں لکھی تھی، یہ کتابیں ڈاکٹر انور سدید کی تاریخ نویسی کا مستند حوالہ ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1. انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، 2004ء، ص:613
2. ایضاً، ص:23
3. ایضاً، ص:123
4. ایضاً، ص:348
5. ایضاً، ص:418
6. منشی پریم چند، اُردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، 2004ء، ص:476
7. انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، طبع سوم، عزیز بک ڈپو، لاہور، 1998ء، ص:689
8. وزیر آغا، ڈاکٹر، ہفت روزہ کوہسار، بھاگل پور، انڈیا، 6- دسمبر 1991ء
9. انور سدید، ڈاکٹر، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 1992ء، ص:3
10. انور سدید، ڈاکٹر، پاکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 1992ء، ص:23

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Anwar Sadeed, Dr. Urdu Adab ki Tehrekain,Anjuman Taraqi Urdu Pakistan,Karachi, 2004, P 613
2. Ibid, P 23
3. Ibid, P 123
4. Ibid, P 348
5. Ibid, P 418
6. Munshi Prem Chand, Urdu Adab ki Tehrekain, Anjuman Taraqi Urdu Pakistan,Karachi, 2004, P 476
7. Anwar Sadeed, Dr. Urdu Adab ki Mukhtasir Tareekh, 3rd Eddition,Aziz Book Depu,Lahore, 1998, P 689
8. Wazir Agha, Dr. Weekly Kohsaar, Bhagal Pur, India, 6 December 1991
9. Anwar Sadeed, Dr. Pakistan main Adabi Rasial Ki Tareekh, Academy Adabiyat Pakistan,Islamabad, 1992, P 3
10. Ibid, P 23